© rasailojaraid.com

تبصرہ کتب

Christian - Muslim Dialogue in The Twentieth Century

(بیسویں صدی میں مسیحی - مسلم مکالمہ)

مصنف	:	عطاء اللہ صدیقی
ناشر	:	میکملن - برطانیہ
سال اشاعت	:	۱۹۹۷ء
صفحات	:	۲۴۸
قیمت	:	۴۲ء۵ پونڈ سٹرلنگ

مسیحی - مسلم روابط کی متعدد جہتوں میں سے ایک جہت "مسیحی - مسلم مکالمہ" ہے۔ تنازعات، باہمی معاشرت اور نو آبادیت، ماضی میں ان روابط کے چند دوسرے پہلو رہے ہیں۔

مسلمانوں کے دور عروج میں چرچ رہنماؤں نے اپنے ہم مذہبوں کے سامنے مسیحیت کے بالمقابل اسلام کی تصویر ایک گھٹیا مذہب کی حیثیت سے پیش کی تاکہ وہ اسلام کی تعلیمات سے متاثر نہ ہوں۔ یوحنا دمشقی اِس طرز فکر کی نمائندہ مثال ہیں، اور فکر کا یہ انداز پورے مسلم دور اقتدار میں قائم رہا۔ بعد ازاں مسیحی مبشرین نے اسلام پر حملے کرنے کے لیے اس ذہنی ورثے کو سنبھال لیا۔ صورت حال سے آگاہ مسلمانوں اہل علم، مثلاً ابن حزم، شہرستانی اور ابن تیمیہ نے یہود - مسیحی روایت کے تجزیاتی مطالعے کی کوشش کی۔

مسلمان علاقوں میں نو آبادیاتی حکمرانوں کی آمد اور مسیحی مبشرین کی ان سے انتہائی قربت کے نتیجے میں مقامی آبادی کا مذہب تبدیل کرنے کی جارحانہ مہم کا آغاز ہوا۔ نبی اکرمؐ، قرآن مجید اور شریعت اِس مہم کے خصوصی ہدف تھے۔ بھلا ہو مسلم معاشرے کے اجتماعی ضمیر کا، کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مبشرین مسلمانوں کا مذہب تبدیل کرنے میں کوئی قابل ذکر کامیابی حاصل نہ کر سکے، تاہم بعض دوراندیش مسلمانوں نے ضرورت محسوس کی کہ مسیحی مبشروں کی مناظرانہ بحثوں کا علمی سطح پر جواب دیا جائے۔ ان اہل علم میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی سب سے نمایاں ہیں جنہوں نے دائرۃ المعارف طرز کی ایک کتاب ''اظہار الحق'' لکھی جو اسلام اور مسیحیت کے تقابلی مطالعے کا ایک قیمتی ماخذ ہے۔

ترویجِ مسیحیت کے ذریعے مسلم دُنیا میں کوئی تبدیلی لانے میں جب مسیحی مبشرین ناکام ہو گئے تو اُنھوں نے نوآبادیاتی حکمرانوں کے ساتھ مل کر، ان کے تعاون سے تعلیمی اور ثقافتی راستہ اختیار کیا۔ اُنھوں نے مسلم آبادی کے موثر اعلیٰ طبقے میں، اور اِس کے ذریعے مسلمان معاشروں میں مغربیت اور دین و سیاست کی جدائی کا تصور عام کرنے کی کوشش کی۔ یہ کام اُنھوں نے سیاسی اثرورسوخ کے ذریعے کیا، تاکہ اپنی اقدار سے کٹے ہوئے ایک ایسے طبقے کی قیادت عوام پر مسلط کر دی جائے جو نام کی حد تک مسلمان، مگر اپنے خیالات اور عمل میں سر تا پا ''مغربی'' ہو۔

نوآبادیاتی حکمرانوں نے اِس مقصد کے لیے اقتصادی ذرائع استعمال کرنے سے بھی دریغ نہ کیا۔ اِس طرح ایک مراعات یافتہ اعلیٰ طبقہ وجود میں آیا جس نے مغربی طرز کی تعلیم حاصل کی تھی اور یہ طبقہ کمزور طبقوں اور حکمرانوں کے درمیان رابطے کا ذریعے بنا۔ اُن لوگوں کے لیے یہ طبقہ نمونے کی حیثیت بھی رکھتا تھا جو نیچے سے اُٹھ کر اوپر جانے کی خواہش رکھتے تھے۔ مسلمان معاشرے میں نوآبادیاتی آقاؤں کی پالیسیوں اور ضرورتوں کے مطابق کام کرنے والا ایک وفادار اور ٹوڈی طبقہ پیدا کرنے کی یہ اسکیم مکمل طور پر ناکام نہ ہوئی۔ اگرچہ یہ اعلیٰ طبقہ اِس حد تک تو نہ گیا کہ اپنے مشنری اساتذہ کا مذہب اپنا لیتا، مگر ذہناً اُن کا وفادار، اور بحیثیت مجموعی اُن کی ثقافتی اور فکری برتری سے مرعوب تھا، تاہم مسلمان معاشرہ بہت حد تک اِس سارے عمل سے الگ تھلگ رہا اور اس نے کوئی اثر نہ لیا، البتہ معاشرے میں ایک غیر ملکی عنصر داخل کر دیا گیا جس کے اثرات دوررس ہیں۔

مسلمان ممالک نے آزادی حاصل کی اور معاشی ضرورت کے تحت مسلمان یورپ اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ جانے لگے۔ اِس صورت حال میں چرچوں نے مذہبی مکالمے کے نام پر مسلمانوں تک رسائی حاصل کرنے کی نئی پالیسی اختیار کی۔ اس پالیسی کے تحت مقامی،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علاقائی اور بین الاقوامی سطح پر مکالمے کی ان گنت نشستیں ہوئیں۔ چوں کہ مکالمے کی ان نشستوں کا انعقاد چرچ کے اقدام پر ہوا، اور اخراجات چرچ تنظیموں نے برداشت کیے، اِس لیے مکالمے کا ایجنڈا بھی میزبانوں کا طے کردہ تھا۔ اِس طرح مکالمے میں مسلمانوں کا کردار طے شدہ ایجنڈے پر اظہار خیال تک محدود ہو کر رہ گیا۔

ان مکالموں میں مسلم رویہ حد سے بڑھی ہوئی رجائیت پسندی سے لے کر شک و شبہ میں مبتلا ہونے کی کیفیات تک مشتمل رہا۔ بہت سے مسیحی، بالخصوص ایونجلیکل، بالکل خوش نہ تھے، کیوں کہ اُنھیں اس مشق میں اشاعتِ مسیحیت کا عنصر زیادہ نظر نہ آتا تھا۔ بہر حال ''مکالمہ'' جاری ہے۔ عام طور پر اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ ایک دوسرے کے بارے میں باتیں کرنے سے زیادہ مفید ایک دوسرے سے باتیں کرنا ہے۔ مسیحی - مسلم مکالمے کے موضوع پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، مگر کم ہی لوگوں نے اسے مسلم تناظر سے لکھا ہے۔ ڈاکٹر عطاء اللہ صدیقی نے ''مکالمے'' پر موجود لٹریچر کی یہ نمایاں کمی پوری کی ہے۔ اِس مقصد کے لیے کتاب کے پہلے حصے میں جناب صدیقی نے پس منظر اور مکالمے کی داغ بیل کا ذکر کیا ہے۔ دوسرے حصے میں اُن چھ مسلمان اہل دانش کے افکار پیش کیے ہیں جو مسیحی - مسلم مکالمہ میں شامل رہے، اور تیسرے حصے میں اُن مسلمان تنظیموں کے کردار پر روشنی ڈالی ہے جو اِس عمل میں شریک رہی ہیں۔

جناب صدیقی مکالمے میں مسیحی — رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ — کاوشوں کا ایک غیر جانبدارانہ جائزہ، نو آبادیت اور چرچ کے درمیان روابط کا تجزیہ، اور شمالی افریقہ، مصر، انڈونیشیا اور ہندوستان میں صورتِ حال کا ایک مختصر، مگر تنقیدی خلاصہ بھی پیش کرتے ہیں۔

''چرچ مکالمے کی جانب بڑھتے ہیں'' کے زیر عنوان جو کچھ لکھا گیا ہے، اس سے مکالمے کے ایجنڈے پر روشنی پڑتی ہے۔ جناب صدیقی نے بتایا ہے کہ لوزانے کانگرس نے ایونجلزم کے ایک ذریعے کے طور پر مکالمے کی اہمیت تسلیم کی ہے۔ وہ جی۔ ڈبلیو۔ پیٹر کے یہ الفاظ نقل کرتے ہیں:

> مقصد ایونجلزم ہے، ذریعہ مکالمہ ہے۔ یعنی مکالمہ غیر مسیحی شخص کے دل و دماغ میں موجود تعصبات، رکاوٹوں اور مشکلات کو حل کرنے کی غرض سے اُس کے ساتھ دوستانہ تبادلہ خیالات اور پریشانیوں، خواہشات، ضرورتوں اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تجربات میں اُس کے ساتھ اشتراک ہے (ص ۴۲)۔

جہاں تک ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے بنیاد پرست چرچوں کا تعلق ہے، جناب صدیقی بتاتے ہیں کہ اُنھوں نے ''صیہونت نواز اور اسرائیل نواز پوزیشن اختیار کی ہے، اور لٹریچر، نیز اسلام مخالف جوش کے ذریعے مسلم برادری اور ایونجلیکل بنیاد پرست مسیحیوں کے درمیان موثر طور پر فاصلہ پیدا کر دیا ہے (ص ۴۳)۔

کتاب کا سب سے زیادہ دلچسپ حصہ ''مکالمے میں مسلمانوں کی شرکت'' (Muslims in Dialogue) ہے جو بالاختصار بتاتا ہے کہ مسلمان ''مکالمے'' کو کیا سمجھتے ہیں اور مکالمے کے بارے میں اُن کے تحفظات اور خدشات کیا ہیں۔ غیر جانبدار ہوتے ہوئے از حد محتاط اور اپنے موضوع پر عالمانہ طور پر لکھتے ہوئے جناب صدیقی نے بتایا ہے کہ مسلمان مکالمے کو کیا سمجھتے ہیں۔ اُنھوں نے مسیحیوں کے بیانات، تبصروں اور پالیسیوں کے سیاق و سباق میں مسلم خدشات پر بحث کی ہے۔ انھوں نے اسلام کے بارے میں چرچ کے تاریخی رویے کے اظہار کے لیے ابن سینا کے متخصص فرانسیسی مصنف بیرن کارا ڈی واکس کا اقتباس دیا ہے۔ بیرن کارا ڈی واکس نے لکھا تھا:

> میرا عقیدہ ہے کہ ہمیں مسلم دُنیا کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینے، اس کا اخلاقی اتحاد توڑ دینے کی کوشش کرنا چاہیے۔ اس مقصد کے لیے نسلی و سیاسی تقسیم کو استعمال کرنا چاہیے۔ لہذا آؤ! مسلم نسلوں کے درمیان اختلافات کو بڑھانے پر زور دیں تاکہ ایک طرف قومی جذبات بڑھیں، اور دوسری طرف مذہبی برادری کا احساس کمزور ہو۔ آؤ! ہم سیاسی صورتِ حال سے فائدہ اٹھائیں، مثال کے طور پر مصر کو، جو آج برطانیہ کے زیر نگین ہے، واضح طور پر فرانسیسی سوڈان سے مختلف اخلاقی شناخت حاصل ہونا چاہیے، یا ہم مصر کو افریقی اسلام اور ایشیائی اسلام کے درمیان رکاوٹ بنا دیں۔ مختصراً، ''آؤ! ہم اسلام کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیں،'' مزید براں گمراہ مسلم گروہوں اور صوفی سلسلوں سے کام لیں (صفحات ۵۴-۵۵)۔

اس سوال کہ ''احیائے اسلام کا مقابلہ کس طرح کیا جائے'' کے جواب میں کارا ڈی واکس کا کہنا تھا کہ ''اسلام کو کمزور کر دیں۔ ---اسے اس قابل نہ رہنے دیں کہ عظیم بیداری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیدا ہو سکے۔'' یہ بات کل نو آبادیاتی دور میں حقیقت تھی، مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آج بھی یہ حقیقت ہے۔ جناب مصنف، جب ویٹی کن دوم کی دستاویز کے حوالے سے ''ماضی کے واقعات بھلا دینے''اور''باہمی افہام و تفہیم کی خاطر مخلصانہ کوشش''کرنے کی ضرورت کا ذکر کرتے ہیں تو انہیں یہ بیان اِس تناظر میں نامکمل دکھائی دیتا ہے کہ ویٹی کن چرچ کو ''سابق کونسلوں اور اجتماعات کے غیر منصفانہ بیانات اور اسلام مخالف انداز کی تحریروں'' سے سرکاری طور پر برأت کا اظہار کرنا چاہیے، نیز انہیں کالعدم قرار دینا چاہیے، اور مسلمانوں کے ساتھ دیانت اور اخلاق پر مبنی ایک نیا راستہ کھولنا چاہیے۔ اگر چرچ سمجھتا ہے کہ اِس کے پاس دوسروں کو دینے کے لیے پیغام ہے، تو اِسے دوسروں کو رائے بدلنے پر آمادہ کرنا چاہیے اور اِسے (conversion) اور (subversion) کے درمیان فرق کرنا چاہیے۔

مسلمان مکالمے کو اِس لیے شک و شبہ کی نظر سے دیکھتے ہیں کہ چرچ [ماضی کے] نو آبادیاتی بوجھ سے خلاصی حاصل نہیں کر سکا، بلکہ بڑی طاقتوں اور کثیر قومی تجارتی کارپوریشنوں کی پالیسیوں کے لیے بطور آلہ کار استعمال ہو رہا ہے، جیسا کہ ضیاء الدین سردار نے واضح کیا ہے:

> مسیحیت سیکولرزم کی ضد ہے، اور اسے ایسا ہی ہونا چاہیے، تاہم یہ ایک خاص ثقافت، ایک خاص علمی رجحان اور مخصوص لوگوں کے تاریخی تجربے کے ساتھ نتھی ہوگئی ہے۔ بائبل اور حضرت یسوع مسیح کو یورپی سیکولرزم کے مقاصد کے لیے استعمال کیا گیا ہے (ص ۵۲)۔

کتاب میں مسلم اور مسیحی دونوں تناظروں سے شریعت اور ذمیوں کے مسئلے کا جائزہ لیا گیا ہے۔ مسیحیوں کی رائے ہے کہ وہ مسلمانوں کی حاکمانہ حدود میں بھی نفاذِ شریعت اور اسلامی طرز زندگی کی کوششوں سے خطرہ محسوس کرتے ہیں، جب کہ مسلمان، مسلمان ہی کیسے کہ اگر وہ اپنے نجی اور عوامی معاملات قرآن و سنت کے مطابق استوار نہیں کرتے۔ مکالمے کی تمام طویل مشقتوں کے باوجود نفاذِ شریعت کے مسئلے پر مسلم اور مسیحی نقطہ نظر ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہے۔

کتاب میں مختلف مذہبی اور جغرافیائی پس منظر رکھنے والی چھ مسلمان شخصیات کے افکار پر روشنی ڈالی گئی ہے جنھوں نے ''منظم مکالمے کے تشکیلی ادوار'' میں حصہ لیا تھا۔ حسن عسکری،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محمود ایوب اور حسین نصر کا پس منظر شیعی ہے، اگرچہ اُن کا دینیاتی انداز فکر cross denomi-national (مختلف مکاتب فکر سے مستفید) ہے۔ اسماعیل الفاروقی، خورشید احمد اور محمد طالبی اہل سنت کا پس منظر رکھتے ہیں۔ محمود ایوب اور اسماعیل الفاروقی بالترتیب لبنان اور فلسطین سے تعلق رکھتے ہیں۔ حسن عسکری اور خورشید احمد برصغیر پاکستان و ہند سے ہیں۔ محمد طالبی تیونس کے باشندے ہیں اور حسین نصر، ایرانی الاصل ہیں۔

کتاب کے دوسرے حصے میں بہت سے مختلف النوع مسائل مثلاً مکالمے کی ماہیت، فریقین کی فکر مندی کے موضوعات اور مکالمے کے شرکاء کے رویوں کا تجزیہ شامل ہیں۔ محمد طالبی مسلم- مسیحی مکالمے کے بارے میں حقیقی فکرمندی سامنے لائے ہیں۔ مثال کے طور پر مکالمے کی مشکلات اور شرائط کیا ہیں، مکالمے میں کیا خطرہ پنہاں ہے، اور اِس کا مقصد کیا ہے؟ اُنھوں نے اسلام کی وضاحت ایمان بطور ثقافتی مظہر کے پس منظر میں کی ہے۔

سب ہی مسلمان اہل علم نے مکالمے اور مشن کے درمیان تعلق پر اپنی تشویش کا اظہار کیا ہے، لیکن اسماعیل الفاروقی کو صورت حال کا نسبتاً عمیق تر احساس ہے۔ وہ مکالمے کے مسئلے کو تقابل ادیان کے زاویے سے دیکھتے ہیں۔ محمود ایوب قرآن مجید کے حوالے سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے احوال پیش کرتے ہوئے مکالمے کے دینیاتی پہلوؤں پر زور دیتے ہیں۔ حسن عسکری دوسروں کی نسبت مصالحت کی طرف زیادہ جھکاؤ رکھتے ہیں، اور اس لیے سب سے زیادہ کمزور ہیں۔

محمود ایوب، خورشید احمد اور حسین نصر اپنے اپنے ذہن اور تجربے کے پس منظر میں دعوت، مشن اور مکالمے پر بحث کرتے ہیں۔ خورشید احمد نفاذِ شریعت کے مسئلے کو اِس کے تناظر میں واضح کرتے ہیں۔ یہ ایک اہم بحث ہے، کیوں کہ یہ نفاذ شریعت ہی ہے جس پر چرچ اور مغربی طاقتوں کو اعتراض رہا ہے۔ خورشید احمد، منطقی اور غیر جانبدارانہ انداز میں اسلامی شریعت کی اہمیت کی وضاحت کرتے ہیں اور مسیحیوں کی جانب سے اٹھائے گئے اعتراضات رفع کرتے ہیں۔ محمد طالبی اور محمود ایوب کے مطابق یورپ میں اسلام کی طویل عرصے سے موجودگی اور مغربی تہذیب میں اس کے حصے کو پورے طور پر تسلیم نہیں کیا گیا۔ اور مغرب کو نہ صرف اپنی تہذیب کا یہود- مسیحی، بلکہ اسلامی عنصر بھی تسلیم کرنا ہے۔ مغرب کو نہ صرف ایتھنز اور روم کے لیے ہمدردانہ رویہ رکھنا چاہیے، بلکہ یہی رویہ بغداد اور قرطبہ کے لیے بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہونا چاہیے۔''

ہانز کنگ کی دینیات پر حسین نصر کے تبصرے کا حوالہ واقعتاً دلچسپ ہے۔ وہ اِس بات پر زور دیتے ہیں کہ مسلم - مسیحی نادرست تفہیم کی تہ میں صرف عقیدہ ہی نہیں ہے، بلکہ حضرت محمدؐ کے خلاف ''مسیحیوں کی نفرت کا ہزار سالہ ورثہ'' بھی ہے۔ اُن کا کہنا ہے کہ آج بھی ''تمام فرسودہ صداقتوں، ڈپلومیٹک اعلانات، اسلام کی طرف انسانیت دوستی پر مبنی خوش دلانہ اظہارات کے ساتھ''، حتیٰ کہ ویٹی کن دوم کے اعلان میں بھی ''پیغمبر اسلام کو ہمیشہ ایک طرف چھوڑ دیا جاتا ہے''، اگرچہ ''قرآن کے ساتھ پیغمبر اسلام کا تعلق مرکزی اہمیت رکھتا ہے (ص ۱۶۱)۔''

کتاب کے تیسرے حصے میں اُن بین الاقوامی تنظیموں کا ذکر ہے جو مسلم - مسیحی مکالمے میں شامل رہی ہیں۔ موتمر العالم الاسلامی، رابطہ العالم الاسلامی اور جمعیت الدعوۃ الاسلامیہ العالمیہ پر لکھا گیا ہے اور اُن کے کردار اور مکالمے کے بارے میں اُن کے زاویہ نظر کا جائزہ لیا گیا ہے۔

کتاب ''مکالمے'' کے اجتماعات میں مسلمانوں کی شمولیت جو بڑی حد تک adhoc نوعیت کی ہے، پر تفصیل سے بحث کرتی ہے۔ مکالمے میں، چونکہ چرچ نے پہل کی ہے، اِس لیے چرچ منتظمین ہی فیصلہ کرتے ہیں کہ مکالمے کی نشست میں کسے دعوت دی جائے، اور کسے باہر رکھا جائے۔ اِس کا نتیجہ یہ ہے کہ مکالمے کے شرکاء چرچ کے منتخب کردہ ہیں اور خود اُن کے درمیان بہت کم رابطہ ہے، اُنھوں نے نہ ایک دوسرے کے ساتھ اپنے تجربے پر تبادلہ خیال کی کوئی کوشش کی ہے اور نہ اپنے خیالات لکھے ہی ہیں۔ غالباً مسلمانوں کو اِس بات کی ضرورت ہے کہ چرچ رہنماؤں سے مکالمہ کرنے کے لیے جانے سے پہلے اپنے درمیان مکالمے کا اہتمام کریں۔

زیر نظر کتاب — ''بیسویں صدی میں مسیحی - مسلم مکالمہ'' — نے مسیحی - مسلم تعلقات کے صرف منفی پہلو ہی اجاگر نہیں کیے، بلکہ مثبت پہلو بھی نمایاں کیے ہیں۔ اِس کتاب نے بھرپور طور پر مکالمے کے عمل کا تنقیدی و تجزیاتی جائزہ پیش کیا ہے۔ جناب عطاء اللہ صدیقی قارئین پر اپنی رائے تھوپنے کے بجائے پیغام کے ابلاغ میں کامیاب ہیں، تاہم کتاب مکالمے سے متعلق مسائل کا تنقیدی جائزہ لینے کی کوشش نہیں کرتی، شاید کتاب کی تالیف کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ مقصد بھی نہیں تھا۔ چوں کہ کتاب مکالمے کے عمل کے تاریخی پہلوؤں سے بحث کرتی ہے، مکالمے کے مسائل کا فلسفیانہ اور دینیاتی جائزہ اِس کے دائرے میں شامل نہیں تھا۔

مسلمان قارئین کے لیے یہ کتاب مسیحی۔ مسلم مکالمے کی تفہیم کی بنیاد مہیا کرتی ہے، اور مسیحی قارئین کے لیے کتاب زیرِ بحث موضوع پر مسلمانوں کے نقطہ ہائے نظر کا بھر پور جائزہ پیش کرتی ہے۔

(ڈاکٹر خالد علوی / انگریزی سے ترجمہ: ادارہ)

بہ شکریہ ماہنامہ ''امپیکٹ''، (لندن)، ستمبر ۱۹۹۸ء

تعلیماتِ اسلام اور مسیحی اقوام

مصنف	:	قاری محمد طیب
ناشر	:	نعمان پبلشنگ کمپنی، اردو بازار - لاہور
صفحات	:	۲۵۱
ماہ و سالِ اشاعت	:	اکتوبر ۱۹۹۷ء
قیمت	:	مجلّد، ۱۲۰ روپے

مولانا قاری محمد طیب مرحوم کی زیرِ نظر کتاب ۱۹۳۸ء کے آغاز میں پہلی بار شائع ہوئی تھی، جب عالمِ اسلام کی سیاسی تحریکیں حصولِ آزادی سے زیادہ امتِ مسلمہ کی فکری بیداری، باہمی اتحاد اور خود شناسی کی بحالی کے لیے کوشاں تھیں۔ مغربی اقوام نہ صرف عالمِ اسلام پر سیاسی تسلط رکھتی تھیں، بلکہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں ان کی پیش رفت اور ترقی سے دُنیا کی آنکھیں چندھیائی ہوئی تھیں۔ مولانا قاری محمد طیب، مہتمم دارالعلوم دیوبند نے سامی مذاہب کے پس منظر میں مشرکین، یہود، نصاریٰ اور مسلمانوں کی سوچ، نیز اِس سوچ کے اسباب و عوامل پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ رائے قائم کی تھی کہ ان چاروں گروہوں میں صرف دو، یعنی مسلمان اور مسیحی ہی اِس قابل ہو سکتے تھے کہ ہمہ گیر ترقیوں کا میدان اُن کے

© rasailojaraid.com